بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاتح پبلی کیشنز ، کالج روڈ ، تونسہ شریف

سنہرے خواب مت دیکھو

ظہور احمد فاتح

اہتمام

ممتاز پبلشنگ

30-القرطبہ کمپلیکس، 8-جیل روڈ، لاہور

Mumtaz_publishing@hotmail.com

042-7569757

کنور امتیاز احمد
حمید تسلیم

رابطہ

ظہور احمد فاتح
کالج روڈ، تونسہ شریف، ضلع ڈی۔جی۔خاں
zafateh@hotmail.com,06510-302201

اہتمام: راؤ وسیم تسنیم

جملہ حقوق محفوظ ہیں

تصنیف.........سنہرے خواب مت دیکھو ، شاعر.........ظہور احمد فاتح
اشاعت اول......دسمبر 2004ء ، تعداد......پانچ سو ، کمپوزنگ......واصف بلوچ

﴾بلوچ کمپوزنگ پوائنٹ۔نزد شاہ سلیمان کالج آف کامرس۔کالج روڈ۔تونسہ﴿

قیمت: -/160روپے

اللّٰہ

رب العزت کے نام

جو

صانعِ لوح و قلم ہے ، خالقِ کونین ہے
مالک ورازق ہے،شوقِ دل ہے،نورِعین ہے

شگفتِ گل کی قسم ، اشکِ خونچکاں کی قسم
زمانہ جیسا بھی ہے خوب ہے، مناسب ہے

ضرور ہوگی نمودار صبحِ صادق بھی
نہ ہو اداس مری جاں کہ صبحِ کاذب ہے

نگارشات

تحدیثِ نعمت	9
تلافی	11
حمدِ ربِ ذوالعرش	13
نعت	15
حوالہ مستند ہے خدمتِ نوعِ بشر اپنا	17
تو مرے پاس نہ آ مجھ سے اختلاط نہ کر	18
کنارے ناؤ محبت کی عمر بھر نہ لگے	19
رشکِ بہشت یوں تو ترا آستان تھا	21
حد سے بڑھ جائے گا دردِ دل کسے معلوم تھا	23
زبان رکھنے کے باوصف بے زباں رہنا	25
یہ کیسا رنگ مری چشمِ تر میں آیا ہے	27
رشکِ گل (نظم)	29

ہے بیتنے والی شبِ تاریک ہماری	31
کیسی بیداد ہو گئی گل سے	32
زخم تم نے لگائے ہیں جتنے	34
مرے ہی نام دنیا بھر کا ہر الزام کر دیتے	35
وار نظروں کا بھی اچانک تھا	37
درمیان بزم انجم رات ساری کھیلتے	39
وہ ایک شخص جو اتنا بھلا لگا ہے مجھے	41
زلفِ عنبریں (نظم)	43
دل میں غم رہتا ہے آنکھوں میں دھواں رہتا ہے	44
وہ کہ ویران تھل کا شاعر ہے	46
کچھ غم نہیں صیاد رہائی نہیں دیتا	47
مجھے اب یہ گماں ہونے لگا ہے	49
تھا اپنی خوش قسمتی پہ نازاں ندی کنارے کھڑا صنوبر	52
کہر سی چھائی ہے، سورج کی ضیا مدھم ہے	54
صدائے کشمیر (نظم)	56
زمانہ سننے کو مانگتا ہے نیا فسانہ نئی کہانی	60
میں اپنا دیدہ و دل نام و ننگ ہار گیا	62
بسی ہے فکر میں اس گلبدن کی رنگینی	64
رنگِ الفت اتر نہ جائے کہیں	66
ساغرِ شعر ہے بیتاب چھلک جانے کو	68
نہ تھا سیلاب سے کم آنکھ کا بہتا ہوا پانی	70

تمہارے جور کو طرزِ وفا کہا جائے 73
معذرت (نظم) 74
میرے نیروں کا چھلکتا ہوا جل ہی لے جا 77
عمر بھر آس کا در کھلا رہ گیا 79
پاؤں فگار ہیں نہ دریدہ لباس ہے 82
ہم ہیں پیت پجاری دیکھ نہ اس لہجے میں ہم سے بول 84
لہو کی کہکشاں ہے اور قاتل 86
گل رعنا جسے پایا تھا صبا سا تو نے 88
کسی سے کرنا پڑے گی ہم کو بھی آشنائی علامتی سی 89
حسن مصروفِ ادا ہے کب سے 90
تشنگی (نظم) 93
دلِ پُر آرزو ہے اور میں ہوں 95
میں کربِ تخلیق میں رہوں گا حسین عروس ہنر تو ہوگی 97
دکھ سہیں گے سرور بانٹیں گے 99
دکھائیں میں نے نصیب داں جان کے جسے ہاتھ کی لکیریں 101
جب بھی چاہا تجھے پکار لیا 102
اسی انداز سے پلکیں جھپک دیکھیں 104
تمہاری آنکھیں اتھاہ جھیلیں ہمارا دل بیکراں سمندر 106
خواب نما (نظم) 108
ہاتھوں میں ترے لمس کی خوشبو ہے کہ تو ہے 110
گلشنِ جاں ناموافق موسموں کی زد میں ہے 112

لگائے کان سدا سن رہی ہیں دیواریں	114
راہ لی جب سے پیار کی ہم نے	116
مجھ پر اس نے بند کیا ہے اپنے گھر کا دروازہ	119
کسی کی قسمت بگڑ رہی ہے مگر خدائے قدیر چپ ہے	120
غمِ عشق سینے میں گھر کر گیا ہے	122
حقیقت میں ہیں پتھر جس قدر بھی ہوں	125
مراقبیلہ (نظم)	127
چلتے پھرتے افسانے کچھ کہتے ہیں	129
ایک تنکے سے گھر بنے کیسے	131
جب زمانے نے محبت ہم سے جتلائی بہت	134
وہ مجھے دے کے مرے سر کی قسم پوچھتا ہے	138
راحتِ جاں سے ہمکنار کروں	139
امتحاں جب ہُوا وفاؤں کا	142
اس عالمِ غمناک میں ہنس ہنس کے جیا کر	146
ہمارا تن کھوکھلا تنا ہے (نظم)	147
جذبۂ الفت سے دل کو آشنا کرتا ہوا	149
رشکِ شعرِ حافظ وخیام قامت یار کی	151
ہم آ کے ترے شہر میں رسوا تو ہوئے ہیں	152
لہولہو ہوا جگر تو ہم نے شعر کہہ دیا	153
اگرچہ دل میں ہزار غم ہیں محبتیں بانٹتے رہیں گے	158
دوست احباب ہی اپنے ہیں، نہ دل بر اپنا	160

تحدیثِ نعمت

حرف و حکایت کے سلسلے ہوں یا شکر و شکایت کے مرحلے، ان میں خامہ وقرطاس اور زبان و بیان کی تاثیر وافادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، عالمِ بسیط میں بڑے بڑے شاعر و ادیب پیدا ہوئے جو اپنے اپنے شعبے میں مردِ میدان ٹھہرے۔ ان میں سے کچھ نے تو اپنی حیات میں ہی قبولِ عام کا مقام پالیا اور کچھ نے پسِ رحلت درجہء قبولیت حاصل کیا۔ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے، ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ صانعِ حقیقی نے مجھے بے پناہ شعری استعداد سے نوازا ہے اور میں نے گلشنِ شعروادب کی آبیاری پر بڑے پیمانے پر خونِ جگر صرف کیا ہے، زبردست محنت، مشقت اور ریاضت کی ہے، لکھا ہے اور بے تحاشہ لکھا ہے یہاں تک کہ اشعار کے دریا بہا دیئے ہیں۔ وسعتِ مضامین کا اندازہ لگانا مشکل ہے، نگارِ ادب کی جھولی جواہرِ آبدار سے بھر دی ہے، سنگلاخ بحروں، دشوار قافیوں اور مشکل ردیفوں میں بھی لکھا ہے۔ ایک طرف روایت سے گہرا ربط رہا ہے تو دوسری طرف جدت سے بھی ایک لطیف تال میل پیدا کیا ہے۔ ہر کیفیت کا شعر ہر ذوق کی تسکین کے لئے صفحاتِ کتاب پر نظر

آئے گا۔ وہ راحت وفرحت کی حالت ہو یا مستی وسرشاری کی، غم وحزن کا عالم ہو یا بیم ورجاء کا ہر احساس، دامن خیال ونظر کو اپنی طرف کھینچے گا۔

یہ امر بھی باعثِ نازش ہے کہ شاگردانِ ادب کی ایک بڑی جماعت کی تربیت وتہذیب کر کے شہنازِ سخن کی مشاطگی کی ذمہ داری نبھائی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ میرے شعری کارنامے چاہے کتب کی صورت میں ہوں یا تلامیذِ ادب کی صورت میں ہوں، اہلِ زمانہ سے خراجِ تحسین وصول کریں گے۔ ان حالات میں جب کہ میرے جاننے والوں کی نسبت نہ جاننے والوں کی تعداد زیادہ ہے اتنا عرض کرتے ہوئے اجازت چاہوں گا۔

میں ایک تارا ہوں آسمانِ سخن کا لیکن بلند فاتح
دکھائی دیتا ہوں کم جہاں کو مگر سدا جھلملا رہا ہوں

ظہور احمد فاتح

فاتح منزل۔ تونسہ شریف

۲۲۔ جنوری ۲۰۰۴ء

تلافی

جہاں میں کوئی چیز حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ رفتارِ زمانہ بہت تیز ہے، تنہا چلنے والا مسافر رفتہ رفتہ کارواں بن جاتا ہے۔ یہی کیفیت استادِ محترم ظہور احمد فاتح کی ہے۔ دشتِ شعروشاعری کے یہ مجنوں لیلیٰ ادب کے والا وشیفتہ ایسی دھن ایسی لگن اور ایسی پھبن سے محوِ خرام ہوئے کہ اہلِ ذوق مجبورِ ہم سفری ہو گئے۔ مسلسل ریاضِ سخن نے یوں مقامِ ثقاہت پر فائز کر دیا کہ مادرِ گیتی نے اپنے فرزندانِ شعروادب کی اصلاح وتربیت کا فریضہ انہیں سونپ دیا جو انہوں نے بسروچشم قبول کیا۔

آج ماشاء اللہ دبستانِ فاتح کی یہ شان ہے کہ ایک بڑی جماعت شاگردانِ ادب کی اکتسابِ فیض کر رہی ہے۔

اس سے پہلے شائع ہونے والا جناب فاتح صاحب کا مجموعۂ کلام ''ساری بھول ہماری تھی'' جہاں دیگر بہت سی خوبیوں کا مرقع ہے وہاں اس کے مندرجات میں تعارف کے عنوان سے ایک بسیط شذرہ بھی شامل ہے جس میں

استادِ محترم سے مستفید ہونے والے تلامذۂ شعر و ادب کی ایک فہرست شامل کی گئی ہے مگر سہواً چند شاگردوں کے نام شامل ہونے سے رہ گئے تھے جس سے ان اعزہ کو قدرے دکھ ہوا۔ علاوہ ازیں چند نئے شاگردانِ شعر و ادب بھی ان کے حلقۂ سخن میں شامل ہوئے ہیں اور ان کا مطالبہ ہے کہ ان کے نام بھی نئی آنے والی کتاب میں ضرور شامل کئے جائیں۔ چنانچہ احباب کی خوشیٔ خاطر کے لئے ہم اس فہرست کو آگے بڑھا رہے ہیں اس سے اس امر کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ استادِ محترم ظہور احمد فاتح کس انہماک و محبت سے نخلِ شعر و ادب کی نشو و نما کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان میں .... جمیل صابر، سید زاہد حسین زاہد، ساجد حسین ساجد، تنویر زائر، حسنین شاہد اخگر، شبیر ناقد، آمنہ امر، بلقیس زیب، غضنفر علی ضیغم، شگفتہ ہما، سلیم شہزاد ناچیز، غضنفر عباس ریحان، عطا محمد عطا، یاسر الطاف یاسر، واحد بخش انجم، محمد علی انجم، صفدر علی حیدر، فاروق محرم، جاوید امجد، اسماعیل معتوب، واجد درانی، غلام قادر خان بزدار، عبدالمجید مضروب، توقیر صارم، خرم جامپوری، محمد حنیف ثابت اور ملک طور کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ استادِ محترم کی مؤقر کاوشوں کو امر فرما دے اور ان کے شاگردوں کو آسمانِ فن کا درخشندہ ستارہ بنائے، آمین

شکیل احمد

09-02-2004

حمدِ ربِ ذوالعرش

خالقِ کائنات و مالکِ کل
آج دل میں امنگ جاگی ہے
تیری حمد و ثناء کروں اتنی
لفظ و معنی جو دسترس میں ہیں
تیری خدمت میں صَرف کر ڈالوں
تیری تسبیح میں کروں اتنی
تیری تحمید ہو بیاں ایسی
پیڑ سارے قلم بنا ڈالوں
بحر سب روشنائی ہو جائیں
سارے اوراق صَرف ہو جائیں

ہفت افلاک ہوں ورق چاہے
تیری توصیف عام ہو جائے
تیری توحید کی سحر پھوٹے
تیری تمجید کا اجالا ہو
شمسِ تقدیس اوج پر آئے
چاہے جیون کی شام ہو جائے
تیری تعریف عام ہو جائے
چاند نکلے ترے تجمّل کا
تارہ تارہ ہو کوکبِ دُرّی
تیری تنویر کی بدولت ہی
تیری حمد و ثناء کروں ہر دم
مجھ کو توفیق دے مرے آقا
سونے چاندی کے حرف ہوں میرے
اس میں اوقات صَرف ہوں میرے

نعت

پہروں خیالِ سیدِ بطحا کئے ہوئے
بیٹھے رہیں گے دل میں اجالا کئے ہوئے

خیرہ کرے گا چشم کو سیلِ تجلیات
رہیے تصورِ رخِ زیبا کئے ہوئے

ہیں مستقل مزاج ہم ایمان کے طفیل
کفار ہیں قیامتیں برپا کئے ہوئے

یوں ہم نے دل کو مصحفِ سیرت بنا لیا
اوصافِ دلنشیں ترے یکجا کئے ہوئے

مصروف ہیں عبادتِ خالق میں اس طرح
بیٹھے ہیں تیرے حسن کا چرچا کئے ہوئے

حوالہ مستند ہے خدمتِ نوعِ بشر اپنا
اسی اعزاز کے باعث رہے گا اونچا سر اپنا

رہے گا صفحۂ ہستی پہ لافانی ہنر اپنا
لگا ہے اس کی زینت پر بہت خونِ جگر اپنا

دلوں پر کارگر ہوگا کلامِ با اثر اپنا
نہ بھولے گا جہاں والوں کو حرفِ معتبر اپنا

کرم ہوتا اگر اس کو سماعت آپ فرماتے
بیاں کرنے چلے تھے حرفِ مطلب مختصر اپنا

زمیں سے آسماں تک، آسماں سے عرشِ اعظم تک
سبک رفتار ہے فاتحؔ تخیّل کس قدر اپنا

تو مرے پاس نہ آ ، مجھ سے اختلاط نہ کر
مجھے اداس ہی رکھ خوگرِ نشاط نہ کر

ذرا سی وصل کی موہوم آس رہنے دے
ہمیشہ کے لئے محرومِ ارتباط نہ کر

میں آبگینہ نہیں ہوں کہ ٹوٹ جاؤں گا
مثالِ سنگ ہوں تُو میری احتیاط نہ کر

میں جس مقام پہ ہوں ٹھیک ہوں مرے مخلص!
اسیرِ غم ہوں ، مجھے رہنِ انبساط نہ کر

نہ کر شکست سے دوچار اپنے فاتح کو
عروج دے کے اسے وقفِ انحطاط نہ کر

کنارے ناؤ محبت کی عمر بھر نہ لگے
کہیں بھی ہوتا ہوا ختم یہ سفر نہ لگے

ہوا چلی ہے کچھ ایسی فریب کاری کی
کہ معتبر بھی کوئی اب تو معتبر نہ لگے

جنونِ شوق نے بے باک کر دیا اتنا
سزائے موت سے بھی اب ہمیں حذر نہ لگے

یہ میرا حال کہ اندیشۂ رقابت سے
پیامبر بھی مجھے اب پیامبر نہ لگے

ہے اشتیاق عبث تجھ کو باغبانی کا
یہ دشت وہ ہے جہاں ایک بھی شجر نہ لگے

اے نخلِ دار! نہ ہو خیر تیرے موجد کی
دعا ہے شاخ پہ تیری کبھی ثمر نہ لگے

ہمارے پیار کی دنیا مثال دینے لگی
یہ خوف ہے کہ جہاں کی اسے نظر نہ لگے

کبھی جو سونے لگوں میں تو یہ دعا مانگوں
تری طلب میں مری آنکھ تا سحر نہ لگے

بھروسہ کیا ہے دمِ بے ثبات کا فاتحؔ
حیات میں بھی گزاروں جو مختصر نہ لگے

رشکِ بہشت یوں تو ترا آستان تھا
ہر لمحہ میرے واسطے اک امتحان تھا

بے درد، سنگ دل جسے کہتے تھے یار لوگ
وہ شخص مجھ پہ اس قدر کیوں مہربان تھا

صد حیف آج وہ بھی ہے مجھ سے گریز پا
تنہا جو انجمن میں مرا قدر دان تھا

کیوں آج اتنے طنز کے نشتر چبھو گیا
کل تک تو اس کا ہر سخن آرامِ جان تھا

تیرے ہی عشق نے اسے بخشی ہیں شہرتیں
ورنہ تو یہ فقیر ترا بے نشان تھا

پختہ فصیل بن گیا پکا یقیں مرا
طوفان کا ہدف مرا کچا مکان تھا

انصاف سے کہو بھری شعری نشست میں
فاتحؔ سے بڑھ کے دلنشیں کس کا بیان تھا

حد سے بڑھ جائے گا دردِ دل کسے معلوم تھا
چارہ گر ہو جائے گا قاتل کسے معلوم تھا

ظلم ڈھائے گا ، ستائے گا ، رلائے گا سدا
وہ ہمیں سمجھے گا اس قابل ، کسے معلوم تھا

جو سرِ راہے رہا یوں غمگسار و مہرباں
روٹھ جائے گا سرِ منزل ، کسے معلوم تھا

وہ شناور جس نے طوفانوں سے بھی کھائی نہ مات
ڈوب جائے گا لبِ ساحل کسے معلوم تھا

زندگی ساری گزاری راحتوں کے کھوج میں
رنج ہوگا عمر کا حاصل ، کسے معلوم تھا

جس کی خاطر شہر چھوڑا، گھر سے بیگانے ہوئے
راس آئے گی نہ وہ محفل ، کسے معلوم تھا

ہم سمجھتے تھے جسے اپنا رفیقِ باوفا
دشمنوں میں ہوگا وہ شامل ، کسے معلوم تھا

قافلے والوں نے اپنا رہنما جانا جسے
راہ میں ہو جائے گا حائل ، کسے معلوم تھا

پھر نہ ہو پائے گا فاتح قیس و لیلیٰ کا ملاپ
یوں لٹے گا پیار کا محمل ، کسے معلوم تھا

زبان رکھنے کے با وصف بے زباں رہنا
ہمارا کام ہے مصروفِ امتحاں رہنا

زمانہ لاکھ تجھے درسِ بے وفائی دے
مگر ہمیشہ وفادارِ دوستاں رہنا

صبا کہیں بھی ہو فرحت نواز ہوتی ہے
جہاں بھی رہنا مثالِ سکونِ جاں رہنا

نہ چاند ہوں، نہ ستارہ، نہ آفتاب ہوں میں
مرا وظیفہ ہے دن رات ضوفشاں رہنا

پسند ہیں مرے محبوب کو مرے آنسو
برا لگے نہ مرا خوگرِ فغاں رہنا

سحر ہو، شام ہو، راحت ہو، رنج ہو، کچھ ہو
ہمیشہ جانبِ منزل رواں دواں رہنا

عجیب آنکھ مچولی ہے جاں سے جاناں کی
نمایاں دل میں مگر آنکھ سے نہاں رہنا

خوشی ہو، غم ہو، سکوں ہو کہ بے قراری ہو
ثبات و صبر سے محفل کے درمیاں رہنا

طرب نواز تھے ہم، وقفِ غم ہوئے فاتح
نہ راس آیا ہمیں تیرا رازداں رہنا

یہ کیسا رنگ مری چشمِ تر میں آیا ہے
شفق کا عکس محیطِ نظر میں آیا ہے

بچھا ہے دشت میں، جنگل میں فرش سبزے کا
بلا کا موسمِ گل بحر و بر میں آیا ہے

فضائے حزن، فضائے طرب میں بدلی ہے
یہ کون اہلِ کرم آج گھر میں آیا ہے

حیا سے کانٹوں نے پھولوں کے پیرہن پہنے
یہ کون حلقۂ وحشت اثر میں آیا ہے

تھا انتظار مجھے اس گھڑی کا مدت سے
پیامِ وصل ، پیامِ سحر میں آیا ہے

کسی مکیں پہ نہ آئی ہو ساعتِ سنگیں
یہ کیسا زلزلہ دیوار و در میں آیا ہے

سفر تو ویسے بھی دشوار تھا مگر اب کے
سفینہ دل کا الم کے بھنور میں آیا ہے

بھُلا کے وعدہ و پیمان ساتھ چھوڑ گیا
وہ انقلاب مرے ہمسفر میں آیا ہے

خدا کے فضل سے ٹھہرا ہے کامراں فاتح
وہ کتنی مرتبہ محلِ خطر میں آیا ہے

رشکِ گل

تُو گل بدن بھی ہے گلفام بھی ہے گل رخ بھی
ہے گل زمیں کو بہت پیار تیری ہستی سے
بڑی عنایتیں تجھ پر ہیں موسمِ گل کی
اے گل عذار ہیں گل ریز تیری مسکانیں
ہے تیری سنگ زنی میں بھی لطفِ گلباری
تُو گل فراش ہے، گل پوش و گل بداماں بھی
کنول ہیں نین ترے، پھول ہیں لب و عارض

نثار نرگسِ شہلا ہے تیری آنکھوں پر
فدا ہے چنپا چنبیلی تری اداؤں پر
ہے تیرے حسن پہ قربان لالہَ وگل بھی
تو گل فروش بھی گل پیرہن بھی لگتا ہے
تو گلستان ہے میرے گلاب جذبوں کا
تو گل بہار ہے میری گلاب سوچوں کا

ہے بیتنے والی شبِ تاریک ہماری
آ جاؤ کہ اب موت ہے نزدیک ہماری

مشتاق تھے ہم کوئی ہوس پیشہ نہیں تھے
حیرت ہے کہ روکی گئی کیوں بھیک ہماری

رونا تو اسی کا ہے کہ خاموش رہے آپ
کہہ دیتے ، اگر بات نہ تھی ٹھیک ہماری

کل اپنا جنوں باعثِ اعزاز رہا ہے
دانش بھی ہے اب موجبِ تضحیک ہماری

اپنائے تو اپنا نہ سکے کوئی بھی فاتح
دشوار نہیں اتنی بھی تکنیک ہماری

کیسی بے داد ہو گئی گل سے
کوئی پوچھے اداس بلبل سے

اک نظر دیکھ لے ہمیں آ کر
کہنا اس خوگرِ تغافل سے

دھل ہی جائیں گے داغِ دل اک دن
اشک بہتے رہیں تسلسل سے

دیکھ تقدیر اس سے کھیل گئی
وہ جو کھیلا تھا تیرے کاکل سے

لوگ دیتے رہے ہمیں طعنے
ہم نے سب کچھ سنا تحمل سے

راہِ ہستی پہ ڈگمگاتے ہو
کیسے گزرو گے موت کے پل سے

آہ ! فاتح یہ شعر ، یہ نشتر
دل ہے گھائل ترے تغزل سے

زخم تم نے لگائے ہیں جتنے
ہم سزاوار تو نہ تھے اتنے

آپ جاگے تو حشر جاگ اٹھا
آپ سوئے تو سو گئے فتنے

کوئی ہم سا نہ باوفا ہوگا
یوں تو دنیا میں لوگ ہیں کتنے

حسن آیا نہ باز غفلت سے
عشق نے واسطے دیئے جتنے

کردیا غیر معتبر فاتح
ہم کو فقدانِ قولِ ثابت نے

مرے ہی نام دنیا بھر کا ہر الزام کر دیتے
تمھیں جو ٹوکتا کوئی تو میرا نام کر دیتے

چھپا لیتا میں اپنا رازِ الفت اہلِ دنیا سے
مگر یہ نین تیرے اس کو طشت از بام کر دیتے

نہ جاتے روٹھ کر اس انجمن سے اے حسیں قاتل!
کوئی تم کو برا کہتا تو قتلِ عام کر دیتے

ہماری دوستی کو بھی ذرا سا آزمانا تھا
ہم اپنی ہر خوشی تیرے لئے نیلام کر دیتے

اگر تکلیف فرماتے نگاہیں چار کرنے کی
یقیناً آپ ہم کو بندۂ بے دام کر دیتے

اگر جاں چھوٹتی اپنی غمِ حالات سے گاہے
تو ہم تیرے تصور میں سحر کو شام کر دیتے

سنا دیتے غزل فاتح کی اپنی مدبھری لے میں
کرم ہوتا اگر تم یہ ہمارا کام کر دیتے

وار نظروں کا بھی اچانک تھا
من بھی اپنا مثالِ طفلک تھا

گھِر گیا میں تو ہمسفر بولا
ساتھ تیرا مرا یہاں تک تھا

وار دی جس پہ زندگی میں نے
اس کو میرے خلوص پر شک تھا

ہاتھ آئی ہے درد کی دولت
پیار کا مشغلہ مبارک تھا

بادِ ظلمت میں بجھ گیا وہ بھی
پاس پیارا سا دل کا دیپک تھا

وائے قسمت کہ رہ گیا پیچھے
وہ مسافر ترا کہ انتھک تھا

دلنشیں روئے مرگ ہے فاتح
چہرۂ زندگی بھیانک تھا

درمیانِ بزمِ انجم رات ساری کھیلتے
تم ہمارے ساتھ ہر دم چاند ماری کھیلتے

آڑے آتا ہے ہمیں ساتھی کی رسوائی کا خوف
ڈال کر ورنہ گلے پر سرخ دھاری کھیلتے

آپ ہو جاتے اگر تیار اے جانِ خلوص
زیست سے کچھ ساعتیں لے کر ادھاری کھیلتے

حلقۂ اطفال میں ملتا اگر موقع ہمیں
بچپنا ہم اپنے اوپر کر کے طاری کھیلتے

اس پہ راضی کاتبِ تقدیر ہو جاتا اگر
شیخ رندی اور ہم پرہیز گاری کھیلتے

رونما ہوتے نتائج آج فاتح سازگار
ہم اگر بازی بطورِ ہوشیاری کھیلتے

وہ ایک شخص جو اتنا بھلا لگا ہے مجھے
شکستِ ذات کا احساس دے گیا ہے مجھے

چلا ہی جاؤں ترے شہر سے تو بہتر ہے
اے میرے دوست یہاں کون پوچھتا ہے مجھے

الجھ گیا ہے جو یوں ذہن آنے والے کا
کسی سوال کی صورت سمجھ رہا ہے مجھے

وہ آئے ، آئے نہ آئے یہی غنیمت ہے
کہ اس کے وصل کا مژدہ بھی کیف زا ہے مجھے

کھلے ہوئے ہیں دل و جاں میں پھول زخموں کے
یہ کس قصورِ وفا کا صلہ ملا ہے مجھے

کسی نے بھولے سے بھی سن لیا اگر مجھ کو
تو باز گشت کی مانند ہی سنا ہے مجھے

میں ایک لمحہ سکوں سے نہ رہ سکا فاتحؔ
لگی کسی کی دعا ہے کہ بد دعا ہے مجھے

زلفِ عنبریں

مرے جنوں کو تمنا ہے کالے بادل کی
یہ شرط ہے کہ وہ بادل ہو کالی زلفوں کا
مرے خلوص کو مطلوب ہے گھنی چھاؤں
دعا ہے یہ کہ وہ چھاؤں ہو تیری زلفوں کی
مرے خیال کو خواہش ہے ایسی خوشبو کی
تری کھلی ہوئی زلفوں سے جس کو نسبت ہو
اک ایسی رات کی حسرت ہے میرے خوابوں کو
سیاہی زلفوں کی شامل ہو جس کی ظلمت میں
تلاش کرتا ہے رم جھم وہ میرا ذوقِ جمال
ہو زلفِ تر سے ہی منسوب جس کا ہر قطرہ

دل میں غم رہتا ہے آنکھوں میں دھواں رہتا ہے
اب یہی حال سرِ کشورِ جاں رہتا ہے

پہلے کچھ اور بھی اذکار ہوا کرتے تھے
اب ترا نام سدا وردِ زباں رہتا ہے

لوگ کیا پوچھتے ہیں اور میں کیا کہتا ہوں
اب کے اتنا بھی مجھے ہوش کہاں رہتا ہے

بھول جاتا ہوں ترے قرب میں صدمے سارے
تو نہ ہو پاس تو احساسِ زیاں رہتا ہے

سنگ دل در پے آزار سہی پھر بھی مجھے
ہر گھڑی اس کی عنایت کا گماں رہتا ہے

ایسے محتاط رہا کرتا ہوں جیسے فاتح
کوئی ہردم میری جانب نگراں رہتا ہے

وہ کہ ویران تھل کا شاعر ہے
چاندنی کا ، کنول کا شاعر ہے

شاعری لازوال ہے اس کی
وہ جو رنگیں غزل کا شاعر ہے

ترجمانِ معاشرہ جو نہیں
ایسا شاعر تو پل کا شاعر ہے

جھونپڑوں کے عذاب کیا جانے
وہ جو شاہی محل کا شاعر ہے

مدتیں ہو گئیں ہیں فاتح کو
ایسا لگتا ہے کل کا شاعر ہے

کچھ غم نہیں صیاد رہائی نہیں دیتا
صحرا بھی مجھے آبلہ پائی نہیں دیتا

یہ کہہ کے وہ عطار دوائی نہیں دیتا
بیمار یہ بیمار دکھائی نہیں دیتا

کردیتا ہے جو عالمِ دل کو تہہ و بالا
وہ نعرۂ مستانہ سنائی نہیں دیتا

کیا عرض کروں سوختہ قسمت ہوں میں ایسا
خیرات جسے حاتمِ طائی نہیں دیتا

نخچیر ہوں میں ایسا جو صیاد کے ہاتھوں
مرجاتا ہے چپکے سے ، دہائی نہیں دیتا

منزل ہے بہاروں کی ترے قرب کی ساعت
کچھ بعد ترے مجھ کو سجھائی نہیں دیتا

فاتح یہ سعادت ہے کہ ہم رہتے ہیں بے تاب
ہر شخص کو وہ دردِ جدائی نہیں دیتا

مجھے اب یہ گماں ہونے لگا ہے
کہ تو بیگانۂ مہر و وفا ہے

ملن رت آگئی ہے آ بھی جاؤ
وہی گلگشت ہے ، رقصِ صبا ہے

یہ کس ذی شان کی ہے آج باری
کہ اتنی دھوم سے مقتل سجا ہے

غمِ دوراں ، غمِ جاناں ، غمِ جاں
مرا دل کتنے خانوں میں بٹا ہے

ہماری راحتیں بھی رنج ساماں
تمہارا رنج بھی راحت فزا ہے

جسے میں ڈھونڈتا پھرتا ہوں باہر
وہ میرے من کے آنگن میں بسا ہے

تمہارا وصل امرت رس ہے ساجن
تمہارا ہجر پیغامِ قضا ہے

مسافر ہے چلا جائے گا آگے
نہ گھبراؤ جو تھوڑا سا رکا ہے

یہ ممکن ہے کوئی پُر کر نہ پائے
ہماری زندگی میں جو خلا ہے

ہے میری بادشاہی یاد تیری
ترا آنچل مجھے ظلِ ہما ہے

مسیحا میں سمجھ بیٹھا ہوں جس کو
وہ میرے درد سے ناآشنا ہے

ذرا سی دیر رک جاؤ خدارا
کوئی کب سے صدائیں دے رہا ہے

کئی دن سے بہت غمگین ہو تم
اجی فاتح! کہو کیا ماجرا ہے

تھا اپنی خوش قسمتی پہ نازاں ندی کنارے کھڑا صنوبر
اکھاڑ دے گی جڑیں یہ بنتِ فرات ، لاعلم تھا صنوبر

یہ کس کی آمد ہے جس کو خوش آمدید کہنے کو مضطرب ہے
بہار ، بلبل ، مہک ، ترنم ، گلاب ، شبنم ، صبا ، صنوبر

مچی ہوئی ہیں دہائیاں ، کر گئی ستم قہر ناک آندھی
چلی تھی سورج سے جنگ کرنے ، گرا گئی بے خطا صنوبر

تھا کتنا غم آفریں وہ منظر ، نظر میں حسرت ، سکوت لب پر
اٹھائے سر ان کو دور جاتا ہوا رہا دیکھتا صنوبر

نہ جانے قدآوروں سے کیوں پست قامتوں کو ہے بیر اتنا
یہ مجھ سے رہ رہ کے پوچھتا تھا زمیں پہ گرتا ہوا صنوبر

تجلیٔ حسن کس قدر قہرمان ہے کیا بتائیں فاتح
ادھر ہوئی چشمِ صاعقہ خشمگیں ، ادھر جل گیا صنوبر

کہر سی چھائی ہے سورج کی ضیا مدھم ہے
پھول افسردہ ہیں ، بلبل کی نوا مدھم ہے

سوگواری کی ردا میں ہے سویرا ملفوف
تابشِ نجمِ سحر ، سازِ صبا مدھم ہے

دیکھیں کس زور کی بارش ہوئی جو کہتے تھے
کم ہے برسات کا امکان ، گھٹا مدھم ہے

انجمن آج ہے بے جان سی ، بے رونق سی
لَو چراغوں کی ، مغنّی کی صدا مدھم ہے

ترے پہلو میں کوئی کرب ہے آباد ضرور
لہجہ آزردہ ہے ، مسکان ذرا مدھم ہے

کم ہے اس حال میں امید پذیرائی کی
شدتِ نالہ و آہنگِ دعا مدھم ہے

میں اجاگر اسے کر دوں گا لہو سے اپنے
آپ کہتے ہیں اگر ، نقشِ وفا مدھم ہے

غم کا آسیب کوئی رہتا ہے دل میں شاید
رخ کی تابندگی ، آنکھوں کی جلا مدھم ہے

کاش فاتح کوئی سمجھائے یہ کیسا ہے شگون
الجھے الجھے ہیں شکن ، رنگِ حنا مدھم ہے

صدائے کشمیر

آج پھر وادیٔ کشمیر صدا دیتی ہے
جس کی رودادِ الم عرش ہلا دیتی ہے

وادیٔ خلد نشاں میں ہیں مظالم برپا
اہلِ کشمیر سے چھینا گیا حق جینے کا

کھیلتا رہتا ہے نت خون کی ہولی ہندو
قتل و غارت گری و جور و جفا ہے ہر سُو

آہ ! وہ جبر و تشدد کے بھیانک منظر
اُف ! وہ بارود کی بدبو کہ ہے جینا دوبھر

ہائے وہ بے بس و مجبور بناتِ وادی
وہ درندے ، وہ ہوس ناکی و عصمت ریزی

کہیں لاشیں ہیں ، لہو رِستا نظر آتا ہے
ظلم کی چکی میں دل پستا نظر آتا ہے

گولیوں سے چھدے اجسام ہیں قریہ قریہ
بربریت کا وہ عالم ہے کہ توبہ توبہ

آج ہے تیز بہت ولولہ آزادی کا
ارضِ کشمیر کو ہے سامنا بربادی کا

گرم ہے موت کا بازار، حسیں وادی میں
زندگی سخت ہے دشوار حسیں وادی میں

کہیں ماتم، کہیں نوحے، کہیں غمگین جلوس
وہ شہیدوں کے جنازے، وہ لہو رنگ عروس

سب کا آہنگ ہے آزاد وطن ہو اب کے
سر ہتھیلی پہ ہو اور سر پہ کفن ہو اب کے

مومنو! دشمنِ بد بخت کو فی النار کرو
دے کے خوں وادیٔ کشمیر کو گلزار کرو

تم مجاہد ہو شب و روز برابر کر دو
مال و جاں مادرِ گیتی پہ نچھاور کر دو

غازیو! جبر یہ مجبور یقیناً ہوگا
کفر کشمیر سے مفرور یقیناً ہوگا

قوم ہے سوئی ہوئی جلد جگاؤ اس کو
بوکھلایا ہوا دشمن ہے بھگاؤ اس کو

سامراجیت و بے داد کے خونی ہتھیار
روک سکتے ہیں کہاں اہلِ وفا کی یلغار

ایک دن دشمنِ غاصب کو نکلنا ہوگا
اپنی سلگائی ہوئی آگ میں جلنا ہوگا

ساتھیو! جبر کی شب کٹ کے رہے گی اک دن
صبحِ آزادی یقینی ہے، ملے گی اک دن

زمانہ سننے کو مانگتا ہے نیا فسانہ ، نئی کہانی
کہیں نہ مشہور ہو جہاں میں ترے مرے پیار کی کہانی

حضور! دلچسپ ہے نہایت یہ عرضِ احوال کا طریقہ
سنائے اک اجنبی مسافر کو جیسے اک اجنبی کہانی

تمہاری تحریر بھی حسیں ہے، تمہارا انداز بھی ہے پیارا
مگر کریں کیا ہمیں ہے مطلوب ایک منہ بولتی کہانی

پڑھو گے اس کو تو اک ندامت سی تھام لے گی تمہارا دامن
کسی سے لکھوا رہی ہے جاناں، تمہاری یہ بے رخی کہانی

نہ کچھ اجازت ہے تبصرے کی ، نہ اذنِ تنقید ہے کہ بولیں
یہ ان کا اصرار ہے کہ سنتے رہو بصد خامشی کہانی

عجب طلسمی فضا سے گزرا ہوں محوِ حیرت ہوں آج بھی میں
یہ اب بھی احساس ہو رہا ہے ، سنا رہا ہے کوئی کہانی

یہ آرزو ہے کہ جلوہ افروز تم رہو سامنے ہمارے
کبھی سنائیں غزل تمہیں ہم ، کبھی لطیفہ ، کبھی کہانی

مرے تجسس میں کیوں ہو گرداں ، میں ایک گمنام سا ہیولا
میں ایک موہوم سی حقیقت ، مری وفا ان سنی کہانی

زباں زدِ عام ہو گئی ہے مگر یہ کیا کم ستم ہے فاتح
لکھی تھی جس کے لئے خصوصاً سنی نہ اس نے مری کہانی

میں اپنا دیدۂ و دل ، نام وننگ ہار گیا
جو میرے سنگ تھا سب تیرے سنگ ہار گیا

بڑا کٹھن ، بڑا نازک سفر تھا چاہت کا
تھکن سے چُور مرا انگ انگ ہار گیا

غم و الم کو مرا دل ہرا بھی سکتا تھا
محاصرے سے مگر آ کے تنگ ہار گیا

ہمیں تو اس پہ بڑا فخر تھا مگر کیسے
سماج سے ترا درویش جنگ ہار گیا

یہ واردات کہ برعکسِ واقعات ہوئی
عجیب تر ہے کہ شیشے سے سنگ ہار گیا

وہ فاتحِ دل و جاں تھا مگر ہوا یوں بھی
حضورِ حسن میں اپنی امنگ ہار گیا

بسی ہے فکر میں اس گلبدن کی رنگینی
فروغ پائے نہ کیوں میرے فن کی رنگینی

وہ جب سے آئے ہیں میرے سیاہ خانے میں
ہوئی ہے جیسے بہم شہر و بن کی رنگینی

مہکتے پھول ، چہکتے طیور ، ہنستے لوگ
سدا بہار ہو یارب چمن کی رنگینی

مری اداس فضا میں نکھار لائی ہے
ترے تبسمِ لب کی کرن کی رنگینی

کلی کلی ترا عکسِ جمال دیکھا ہے
دھنک دھنک ہے ترے پیرہن کی رنگینی

سوادِ شامِ غریباں میں پھرتی رہتی ہے
مری نگاہ میں صبحِ وطن کی رنگینی

چلا گیاتو اجڑ جائے گی مری محفل
اسی کے دم سے ہے اس انجمن کی رنگینی

سنی نہ ایسی توانا کوئی صدا فاتح
ہے جانِ بزم تمہارے سخن کی رنگینی

رنگِ الفت اتر نہ جائے کہیں
حسرتِ ہمسفر نہ جائے کہیں

دردِ دل کی دوا کرے نہ کرے
پر مرا چارہ گر نہ جائے کہیں

رات جائے نہ جائے شب خیزو!
پر امیدِ سحر نہ جائے کہیں

جس کی مدت سے راہ تکتے ہیں
غیر بن کر گزر نہ جائے کہیں

ایک لذت ہے سوزِ ہجراں میں
یہ خلش عمر بھر نہ جائے کہیں

ذہن بدلیں ، رتیں بدل جائیں
میرے فن کا اثر نہ جائے کہیں

تیرا چہرہ مَیں ہر گھڑی دیکھوں
تیرے ہوتے نظر نہ جائے کہیں

ایک عرصے سے کچھ نہیں لکھا
حسِ تخلیق مر نہ جائے کہیں

ہم سے غافل ہے آسماں فاتح
اپنی حالت سنور نہ جائے کہیں

ساغرِ شعر ہے بیتاب چھلک جانے کو
تھامنا ہاتھ میں دشوار ہے پیمانے کو

وہ تو گلزار کو ویرانہ بنا دیتے ہیں
ہم بھی گلزار بنا دیتے ہیں ویرانے کو

ہم سزاوارِ نصیحت ہیں بجائے نفرت
گر برے ہیں تو چلے آیئے سمجھانے کو

کتنے نادان ہیں وہ لوگ تری نگری کے
خود ہی جو آگ لگا دیتے ہیں کاشانے کو

تم بضد ہو تو سناتا ہوں کہانی لیکن
لوگ سمجھیں نہ حقیقت مرے افسانے کو

ایسا بھونچال سا آیا ہے کہ رکتا ہی نہیں
منہدم کر نہ دے یادوں کے صنم خانے کو

جب وہ سنتے ہیں کہ بیمار ہے مائل بہ سکوں
جانے کیا سوچ کے آجاتے ہیں تڑپانے کو

ہم نے دنیا کو نہیں دی کبھی وقعت یارو!
جیسے ٹھہرے ہیں ذرا دیر کو سستانے کو

ہم نے بارش کی کبھی کی جو تمنا فاتح
بجلیاں ٹوٹ پڑی ہیں ہمیں تڑپانے کو

نہ تھا سیلاب سے کم آنکھ کا بہتا ہوا پانی
مرا چہرہ بہا کر لے گیا بہتا ہوا پانی

بہم ہیں تیری وادی میں لوازم سارے جنت کے
مہک ، تابش ، سحر ، سبزہ ، صبا ، بہتا ہوا پانی

کبھی لایا نویدِ راحت و پیغامِ خوشحالی
کبھی کرتا رہا محشر بپا بہتا ہوا پانی

علامت زندگی کی ہے ، نشاں ہے پیش قدمی کا
انہیں لگتا ہے جانے کیوں برا بہتا ہوا پانی

اسے آخر بنا کر کوئی رستہ بہہ نکلنا تھا
بھلا کوئی کہاں تک روکتا بہتا ہوا پانی

ترنم ، خوش خرامی، مسکراہٹ، حوصلہ مندی
چرا لایا ہے تیری ہر ادا بہتا ہوا پانی

اسے جولانیاں حاصل ہوئی ہیں ان کی برکت سے
ترے قدموں کو دیتا ہے دعا بہتا ہوا پانی

بلند و پست کو سیراب کرتا ہے بصد سرعت
بظاہر جلد ہوتا ہے فنا بہتا ہوا پانی

اسے آگے ہی بڑھنا ہے، اسی میں ہے بقا اس کی
نہیں پسپائیوں سے آشنا بہتا ہوا پانی

جو روکو گے زبردستی کرے گا اور بھی نقصاں
خیالِ خام ہے رک جائے گا بہتا ہوا پانی

چمن بے رنگ و نکہت ہے، فضا بے نور ہے فاتح
مزا دیتا نہیں تیرے سوا بہتا ہوا پانی

تمہارے جور کو طرزِ وفا کہا جائے
مگر فریبِ محبت کو کیا کہا جائے

ہے دل بضد کہ یہاں پر سحر کا مسکن ہے
تری گلی کی ہوا کو صبا کہا جائے

پھر اس کے بعد کا جینا ہے موت سے بدتر
پیامِ ہجر کو حکمِ قضا کہا جائے

مریضِ دل کا ہے پیغام ہم نشینوں کو
صدائے کرب کو حرفِ دعا کہا جائے

شکستہ دل ہیں جو فاتح سنیں ہمارا بیاں
ہمارے شعر کو غم کی دوا کہا جائے

معذرت

جواب کیسے تجھے دوں ترے سوالوں کا
میں دل کو کیسے پرو کر دکھاؤں تیروں میں
یہی سمجھ لے کہ تدبیر کارگر نہ ہوئی
یہ جان لے کہ ہوں تقدیر کے اسیروں میں

یہ کون چاہتا ہے اس کا پیار لٹ جائے
کسے گوارا ہے محبوب کا جدا ہونا
ہوں اس عذاب کے باوصف بھی اگر زندہ
کہاں عیاں ہے مرا اس سے بے وفا ہونا

خوشی سے روح بدن سے جدا نہیں ہوتی
ضرور دستِ اجل درمیان ہوتا ہے
نہیں ہے اہلِ زمانہ کو اس کا اندازہ
فراق ایک بڑا امتحان ہوتا ہے

کسی کے بس میں نہیں ہے نوشتۂ قسمت
حیات و موت خدا ہی کے اختیار میں ہے
سجن بغیر ہوں زندہ تو مت گماں کرنا
میں خود پسند ہوں یا نقص میرے پیار میں ہے

وہ مسکراتے ہوئے لب، وہ پھول سے عارض
وہ ہنستے نین بھلا کیسے میں بھلا دوں گا
مہکتی زلفیں ، چمکتی ہوئی وہ پیشانی
وہ نقش دل کے ورق سے مٹا نہ پاؤں گا

یہ پیار جانِ وفا اک اٹوٹ ناتا ہے
خیالوں خوابوں میں آئیں گے روٹھنے والے
کبھی چمن سے ، کبھی بزمِ ماہ و انجم سے
اشارے کرکے بلائیں گے روٹھنے والے

میرے نیروں کا چھلکتا ہوا جل ہی لے جا
ہوت جذبوں کی ادا جانبِ تھل ہی لے جا

نذر کرنے کے لئے پاس اگر کچھ بھی نہیں
شہرِ جاناں کو یہ رنگین غزل ہی لے جا

کوئی محبوب اگر میرے مقدر میں نہیں
میرے معبود! مجھے سوئے اجل ہی لے جا

وہ حسیں ہے، اسے دینے کو حسیں سا تحفہ
نہ ملیں گل تو مرے نین کنول ہی لے جا

اک بڑی بات ہے مخلوق سے ہمدردی بھی
ساتھ اپنے یہی سوغاتِ عمل ہی لے جا

وحشتیں شہر کی پھر حد سے بڑھی جاتی ہیں
ان کی وادی سے چرا کر کوئی پل ہی لے جا

خواب میں رات مرا چاند مجھے کہتا تھا
میں ترے ساتھ رہوں گا مجھے کل ہی لے جا

پاؤں زخمی ہیں تو کیا، ان کی گلی میں فاتح
اپنے ہمراہ مجھے پیٹ کے بل ہی لے جا

عمر بھر آس کا در کھلا رہ گیا
دل ترے راستے میں بچھا رہ گیا

پست لوگوں نے کیں سازشیں جس قدر
جو بڑا تھا ہمیشہ بڑا رہ گیا

تم نے پامال کی جس کی ہر آرزو
وہ تمہاری رضا ڈھونڈتا رہ گیا

وہ جو مجرم تھے ان کو رہائی ملی
قید خانے میں اک بے خطا رہ گیا

شہر بے مہر تھا ، لوگ بے رحم تھے
پھر بھی ہونٹوں پہ حرفِ دعا رہ گیا

ہم پڑھاتے رہے ہیں کتابِ وفا
ہر جفا کار ہم سے خفا رہ گیا

آہ کو ہم نے باہر نہ جانے دیا
اشک آنکھوں کے پیچھے چھپا رہ گیا

ہم نے نیندیں ترے نام ارسال کیں
اپنی تقدیر میں رت جگا رہ گیا

بعد تیرے نہ کوئی بھی پُر کر سکا
اپنے جیون میں ایسا خلا رہ گیا

لاکھ طوفانِ اوہام آتے رہے
پھر بھی حق دل میں جلوہ نما رہ گیا

صرف جرمِ غریبی کی پاداش میں
اجنبی بن کے ہر آشنا رہ گیا

راحتیں لُٹ گئیں ، فرحتیں چھن گئیں
اور کیا تیرے غم کے سوا رہ گیا

یوں تو لکھے بہت سے عریضے انہیں
ماجرا دل کا پر اَن کہا رہ گیا

ساری شمعیں تو آندھی میں گل ہو گئیں
طاق میں ایک بجھتا دیا رہ گیا

اس ملمّع گری کے زمانے میں بھی
تھا کھرا مردِ فاتح ، کھرا رہ گیا

پاؤں فگار ہیں ، نہ دریدہ لباس ہے
کیسا جنوں ہے جس کی سکوں پر اساس ہے

پاسِ انا نہ کرنے دے احوالِ دل بیاں
ورنہ تری جدائی کا غم کس کو راس ہے

جاتا ہے ان کے پاس جو اصحابِ ظرف ہوں
یہ نامراد غم بڑا مردم شناس ہے

کرتا ہے وہ فرائضِ ساقی گری ادا
ہونٹوں پہ جس غریب کے محشر کی پیاس ہے

گو مدتیں گزر گئیں تجھ سے جدا ہوئے
اے دوست! آج بھی ترے ملنے کی آس ہے

تم کیا گئے کہ دل کا سکوں ساتھ لے گئے
اے جانِ انجمن! مری محفل اداس ہے

سمجھے ہوس نہ وہ مرے حسنِ سوال کو
فاتح حضورِ حسن میں یہ التماس ہے

ہم ہیں پیت پجاری دیکھ، نہ اس لہجے میں ہم سے بول
دل کے پار اترے جاتے ہیں تلوار سے تیکھے بول

زخم زباں کے بھر نہیں پاتے، خنجر کے بھر جاتے ہیں
من کو گھائل کر دیتے ہیں ساجن زہر میں ڈوبے بول

فخر نہیں اچھے انسانوں کا شیوہ ، مغرور نہ ہو
اونچی ذات خدا کی ، اس کو خوش نہیں آتے اونچے بول

بول ، مگر یوں بول کہ جیسے رم جھم بارش ہوتی ہے
اپنی کمزوری ہیں ساقی! امرت رس برساتے بول

تو اپنی دلکش آواز میں گیت ہمارے گائے جا
کتنے دلآویز ہیں مطرب! تیرے ہونٹ ، ہمارے بول

بھید نہ دنیا پر کھل جائے تیری میری چاہت کا
دیواروں کے کان ہوا کرتے ہیں ، دھیرے دھیرے بول

میں خاموش رہوں ، تُو باتیں کرتا رہ اے جانِ غزل
میں کرتا ہوں تلخ نوائی ، تیرے شہد سے میٹھے بول

تُو چل آگے آگے ، میں پھر پیچھے پیچھے آؤں گا
میں بھی بات کروں گا لیکن شرط ہے یہ ، تُو پہلے بول

ساتھ نبھا حق سچ کا فاتح ، چاہے دار کی منزل ہو
جھوٹ کے پاس نہ جا بھولے سے ، بول ہمیشہ سچے بول

لہو کی کہکشاں ہے اور قاتل
وفا کا کارواں ہے اور قاتل

سمجھ آیا نہیں اب تک یہ نکتہ
مقامِ پاسباں ہے اور قاتل

یہ منظر کس قدر ہے روح فرسا
قتیلِ نیم جاں ہے اور قاتل

کسے عنواں بنائیں داستاں کا
جنوں ہے، امتحاں ہے اور قاتل

کسی کی بد دعا نے کیا بگاڑا
ستم کر کے جواں ہے اور قاتل

تُو لاثانی ہے اپنی ہر ادا میں
کوئی تجھ سا کہاں ہے اور قاتل

رہے میدان کس کے ہاتھ دیکھیں
فغانِ خونچکاں ہے اور قاتل

جہاں میں یوں بھی ہو جاتا ہے فاتح
کرم کا آستاں ہے اور قاتل

گلِ رعنا! جسے پایا تھا صبا سا تو نے
اس کو کرنا تھا معطر بھی ذرا سا تو نے

اور کچھ دیر تڑپنے کا نظارہ رہتا
اپنے بسمل کو تو دینا تھا دلاسا تو نے

پا گیا میں غمِ ہستی، غمِ دوراں سے نجات
کتنا احسان کیا بن کے شناسا تو نے

اپنے کس کام کے یہ مینا وخُم، جام وسبو
جبکہ لوٹایا ہمیں پیاسے کا پیاسا تو نے

وہ تو بے مہر تھا پتھر سے بھی بڑھ کر فاتح
مہرباں جان لیا جس کو خدا سا تو نے

کسی سے کرنا پڑے گی ہم کو بھی آشنائی علامتی سی
وہ بے وفا ہے تو ہم بھی کر لیں گے بے وفائی علامتی سی

جو اہلِ حق ہیں وہ ہیں پریشاں، جو اہلِ باطل ہیں شاد ماں ہیں
گماں گزرتا ہے دہر میں ہے تری خدائی علامتی سی

کبھی تخیل میں اس کو پایا، کبھی تصور میں اس کو دیکھا
رہی ہے اس آفتاب رخ تک مری رسائی علامتی سی

وہ کہہ رہا تھا کہ جو بھی کہنا ہے صاف کہیے بلا تامّل
مگر ہوئی اس کے روبرو ہم سے لب کشائی علامتی سی

عجیب سی انجمن تھی فاتح، نہ کوئی مونس نہ کوئی ناصح
فسانہ گوئی تھی واجبی سی، غزل سرائی علامتی سی

حسن مصروفِ ادا ہے کب سے
عشق آئینہ نما ہے کب سے

چارہ گر محوِ تغافل کیوں ہے؟
درد محرومِ دوا ہے کب سے

نیند کے ماتے پڑے ہیں بے سدھ
باغ میں رقصِ صبا ہے کب سے

تم مرے کرب سے ناواقف ہو
روح میں حشر بپا ہے کب سے

کوئی جذبوں کا طلب گار نہیں
من کا بازار سجا ہے کب سے

آخری فیصلہ سننے کے لئے
منتظر کوئی کھڑا ہے کب سے

آنکھ بھر آئی تو معلوم ہوا
تو مرے دل میں بسا ہے کب سے

دشمنِ جاں کی بھلائی کے لئے
کوئی مشغولِ دعا ہے کب سے

تاب ہم میں نہیں دکھ سہنے کی
وہ تو مائل بہ جفا ہے کب سے

تیرے درشن کی لئے آس کوئی
سرِ رہ بیٹھا ہوا ہے کب سے

اب تو جانا ہی پڑے گا فاتح
موت آغوش کشا ہے کب سے

تشنگی

بتا اے مطربہ تو نے
یہ کیسا گیت گایا ہے
یہ کیسا ساز چھیڑا ہے
کہ جس کی دکھ بھری لَے نے
سکوں میرا چرایا ہے
مجھے بسمل بنایا ہے
بتا اے مطربہ تجھ کو
یہ کیسا رنج لاحق ہے
یہ کیسا غم ستاتا ہے
کہ تیری دکھ بھری دھن سے
مرے جذبات جاگے ہیں

بتا اے مطربہ تو نے
یہ کیا سنگیت چھیڑا ہے
کہ تیرا درد میرے درد کا عکاس ٹھہرا ہے
ترے دکھ نے مرے دکھ کو جگایا ہے
بتا اے مطربہ کیا راز ہے اس میں
کہیں تو بھی مری صورت نہ ہو اخلاص کی پیاسی

دلِ پر آرزو ہے اور میں ہوں
کسی کی جستجو ہے اور میں ہوں

سفر ہے در بہ در ، قریہ بہ قریہ
جنونِ رنگ و بو ہے اور میں ہوں

حدیثِ دیگراں ہے نا مناسب
یہاں تو صرف تو ہے اور میں ہوں

جفا کے سلسلے ہیں اور تو ہے
وفا کی آبرو ہے اور میں ہوں

خدارا صرف اک موجِ تبسم
اداسی چار سو ہے اور میں ہوں

عبادت انتظارِ دیدِ جاناں
یہ چشمِ با وضو ہے اور میں ہوں

مری قسمت مسلسل بے قراری
طوافِ کاخ و کُو ہے اور میں ہوں

نہ خنجر ہے، نہ قاتل کا پتہ ہے
مرا رِستا لہو ہے اور میں ہوں

مرے ہاں اور کیا رکھا ہے فاتح
مقفّٰی گفتگو ہے اور میں ہوں

میں کربِ تخلیق میں رہوں گا ، حسین عروسِ ہنر تو ہوگی
مٹے تو مٹ جائے ذات میری کہ میری کاوش امر تو ہو گی

غضب سے،نفرت سے یا حقارت سے دیکھ تو لے گا میری جانب
ہے کس قدر دلنشیں تصور کہ مجھ پہ اس کی نظر تو ہوگی

میں راستہ راستہ پھروں گا ، حیات وقفِ سفر کروں گا
کہیں تو منزل تری ملے گی ، کوئی تری رہگذر تو ہوگی

بجا کہ سکھ روٹھ جائیں گے ، دکھ ٹھکانہ کر لیں گے بعد تیرے
خوشی کے لمحے نہ مل سکیں گے ، حیات جوں توں بسر تو ہوگی

نہ ہو پریشاں مسافرِ شب یہ تیرگی اب تمام ہوگی
یہ عین ممکن ہے دیر ہو جائے شب کٹے گی سحر تو ہو گی

مرے چمن میں خدا نے رکھ دی ہے میری روزی بصد حفاظت
ہو میرے حصے کا جس پہ میوہ کہیں وہ شاخِ شجر تو ہو گی

میں عہدِ رفتہ پہ عمر بھر انتظار کر لوں گا جانے والے!
کہ اک نہ اک روز تیری تشریف آوری میرے گھر تو ہوگی

جو میرے جذبے کی ہے علامت، جسے ترے پیار سے ہے نسبت
سبب سخن کی صباحتوں کا وہی خراشِ جگر تو ہو گی

یہ رت جگے یادگار بن جائیں گے، دیے سے دیا جلے گا
بہم ہوئے ہیں جو دیپ اتنے یہ انجمن رات بھر تو ہوگی

جو مارتے ہیں زمانے والے یہ تازیانے زباں کے فاتح
نہیں کوئی ضرب جسم پر چوٹ آپ کی روح پر تو ہوگی

دکھ سہیں گے ، سرور بانٹیں گے
پیار نزدیک و دور بانٹیں گے

توڑ کر سب حصار ظلمت کے
ہم زمانے میں نور بانٹیں گے

نفرتیں چار سو محیط سہی
جنسِ الفت ضرور بانٹیں گے

مضحکہ خیز ہے خبر کتنی
چند جاہل شعور بانٹیں گے

کاسۂ چشم کب سے ویراں ہے
کب تجلی حضور بانٹیں گے

کر کے تخلیق فن کے شہہ پارے
کیف بین السطور بانٹیں گے

نقدِ احساس دہر میں فاتحؔ
مردمانِ غیور بانٹیں گے

دکھائیں میں نے نصیب داں جان کے جسے ہاتھ کی لکیریں
کبھی مرا چہرہ دیکھتا تھا ، کبھی مرے ہاتھ کی لکیریں

یہ کیا کہ آنکھوں سے اشک جاری ہیں دیکھ کر سوختہ نصیبی
اگر نہ تھا اختیار دل پر ، نہ دیکھتے ہاتھ کی لکیریں

دراز عمری ، فراخ روزی ، سلامتی مانگتا ہوں تجھ سے
مرا مقدر بنانے والے سنوار دے ہاتھ کی لکیریں

یہ آپ کی کج ادائیاں دل شکن سہی اے ستانے والے!
بندھا رہی ہیں مگر مری آس آپ کے ہاتھ کی لکیریں

ہے اس کی تلخیص اس کا پرتو نمایاں ترے سخن میں فاتح
سنا رہی ہیں جو دکھ بھری داستاں ترے ہاتھ کی لکیریں

جب بھی چاہا تجھے پکار لیا
وادیٔ روح میں اتار لیا

دل میں انوار کی ہوئی بارش
جب ترا نام بار بار لیا

تیرے ملنے کی آس میں ہم نے
موسمِ ہجر بھی گزار لیا

پھول نے مانگ لی مہک تجھ سے
شمع نے نور مستعار لیا

شہرِ گل میں خزاں رسیدہ نے
بوسۂ نخلِ نو بہار لیا

قرض لوگوں کے کیا چکائے گا
جس نے ہر گام پر ادھار لیا

تجھ کو اپنا بنا کے ہم سمجھے
زلفِ حالات کو سنوار لیا

ہم نے فاتحؔ سخن کی تابش سے
سرد جذبات کو ابھار لیا

اسی انداز سے پلکیں جھپک دیکھیں
بدلتا ہے یقیں میں کیسے شک دیکھیں

غمِ دل دھیرے دھیرے سو ہی جائے گا
ذرا دستِ محبت سے تھپک دیکھیں

ہماری یاد جب آئے چلے آنا
تمہارا راستہ ہم حشر تک دیکھیں

نوردِ شہر سے اکتا گئے ہیں ہم
چلو کچھ دیر صحرا میں بھٹک دیکھیں

مرے ساتھی مرے غم سے ہیں ناواقف
یہ ظاہر بین کیا دل کی کسک دیکھیں

بصارت سلب کی جس کی اداؤں نے
یہ حسرت ہے کہ اس کی اک جھلک دیکھیں

شگفتِ گل جھلک تیرے تبسم کی
گہُر میں تیرے دانتوں کی چمک دیکھیں

کسی کے تن کی ڈالی یاد آتی ہے
چمن میں شاخِ گل کی جب لچک دیکھیں

ہے مرگِ راہِ حق میں کس قدر لذت
کبھی پھانسی کے پھندے میں لٹک دیکھیں

پڑھیں فاتح کے دلآویز فن پارے
سپہرِ فکر پر دلکش دھنک دیکھیں

تمہاری آنکھیں اتھاہ جھیلیں ، ہمارا دل بیکراں سمندر
ہے کتنا دلچسپ یہ تعلق ، حسین جھیلیں ، جواں سمندر

اگر میسر اسے ہو کوئی حسین و اہلِ شعور سامع
سنائے غرقابیٔ سفینہ کی دکھ بھری داستاں سمندر

یہ بات ہے وقت وقت کی ، وقت ہے بڑا انقلاب پیشہ
کبھی مکمل سکوت میں ہے ، کبھی تلاطم بجاں سمندر

ہماری چاہت کے گیت لہروں میں اس نے محفوظ کر لئے ہیں
ترا مرا رازداں سمندر ، ترا مرا رمزداں سمندر

معاملہ ہے خلوصِ دل کا تو کیف و کم کا ہو کیا حوالہ
ترا کرم نقش فی الحجر ہے ، مری وفا بے نشاں سمندر

مری طبیعت کے رنگ سارے نمایاں اس کی اداؤں میں ہیں
کبھی غزل خواں ، کبھی ہے خنداں ، کبھی ہے محوِ فغاں سمندر

اسے ہے شکوہ کہ بادِ سرکش کی بادباں سے ہے آشنائی
بپھر رہا ہے جو اس قدر یہ ، ہَوا سے ہے بدگماں سمندر

سنو کہ ہے اس میں رازِ عظمت ، پیامِ الفت ، نویدِ راحت
زمانے والو! حدیثِ اسرار کر رہا ہے بیاں سمندر

غمِ شب و روز میں بھی فاتح خوشی کا پہلو نکل ہی آیا
یہ بات سچ کہہ گیا ہے کوئی ، وہاں جزیرہ جہاں سمندر

خواب نما

خواب ہے کہ بیداری
میں بتا نہیں سکتا
روز جا اترتا ہوں
میں کسی پرستاں میں
اور وقت کٹتا ہے
سنگ سنگ پریوں کے
حسن کا، جوانی کا
ساتھ بھی غنیمت ہے

ان گلاب ہونٹوں سے
ان قمر جبینوں سے
ان ستارہ آنکھوں سے
دل سرور پاتا ہے
نرم گفتگو ان کی
نقرئی ہنسی ان کی
اور نغمگی ان کی
سن کے جھوم جاتا ہوں
اور ناز کرتا ہوں
اپنی خوش نصیبی پر
کاش یہ سماں یونہی
دیکھتا رہوں فاتح
اور یہ حسیں منظر
دور ہی نہ ہوں فاتح

ہاتھوں میں ترے لمس کی خوشبو ہے کہ تُو ہے
سینے میں تری یاد کا جادو ہے کہ تُو ہے

البم ہے مرے سامنے یا شہرِ نگاراں
یہ مجھ سے مخاطب ترا فوٹو ہے کہ تُو ہے

برسات میں جو کھیل رہی ہے مرے دل سے
بجلی ہے، تری جنبشِ ابرو ہے کہ تُو ہے

خوش آج نظر آتا ہے بیمارِ تمنا
بالیں پہ ترا سایۂ گیسو ہے کہ تُو ہے

یہ نغمۂ بلبل ہے کہ آواز ہے تیری
اٹکھیلیاں کرتا ہوا آہُو ہے کہ تُو ہے

مستی بھری آنکھیں ہیں تری یا گلِ نرگس
یہ نور بداماں کوئی جگنو ہے کہ تُو ہے

یہ تیرا تصور ہے کہ تصویر ہے تیری
نظروں میں ترے حسن کا پہلو ہے کہ تُو ہے

فاتح ترا کچھ دیر سے یہ سوچ رہا ہے
پاکیزہ کنول کوئی لبِ جُو ہے کہ تُو ہے

گلشنِ جاں ناموافق موسموں کی زد میں ہے
اپنی پکی فصل ظالم بارشوں کی زد میں ہے

کیا خبر کس وقت رہ جائے مسافت نا تمام
مرکبِ ہستی مسلسل حادثوں کی زد میں ہے

اے وفا! محتاط رہنا ، اے جنوں ہشیار باش
ایک دل والا ہزاروں ساحروں کی زد میں ہے

نیند آتی تو ترا دیدار ہوتا خواب میں
دیدۂ نمناک پیہم رتجگوں کی زد میں ہے

چشمِ عبرت جرمِ حق گوئی کی تعزیریں بھی دیکھ
صاف گو درویش کتنے قاتلوں کی زد میں ہے

کس طرح اظہار بخشوں غیر مرئی چیز کو
کیا چھپاؤں مَیں اسے جو آئینوں کی زد میں ہے

دشمنوں سے تو مجھے فاتح کوئی شکوہ نہیں
میں وہ یوسف ہوں جو اپنے بھائیوں کی زد میں ہے

لگائے کان سدا سن رہی ہیں دیواریں
یہ اور بات کہ ساکت کھڑی ہیں دیواریں

کسی امیر کے ایوان ہو گئے اونچے
کسی غریب کے گھر کی گری ہیں دیواریں

وہ جس کا شوق تھا بنیاد اس شبستاں کی
چلا گیا ہے کہاں پوچھتی ہیں دیواریں

اسے تو دشت کی پہنائیوں سے رغبت ہے
مرے جنوں کے لئے اجنبی ہیں دیواریں

ہجومِ خلق پریشاں ہے اب کدھر جائے
جہاں تھی راہ وہاں بن گئی ہیں دیواریں

ہیں خود تو اہلِ جہاں شاد اپنے پیاروں میں
ہمارے بیچ مگر کھینچ دی ہیں دیواریں

جو تم نہیں ہو تو پہلا سا لطفِ زیست کہاں
وہی ہے گھر، وہی آنگن، وہی ہیں دیواریں

یہ تیرے ہاتھ ہوں جیسے، یہ تیرے عارض ہوں
ترے دیار کی یوں چوم لی ہیں دیواریں

ابھی سے کہنگی ہونے لگی عیاں فاتحؔ
مکانِ زیست کی جھکنے لگی ہیں دیواریں

راہ لی جب سے پیار کی ہم نے
جوئے خوں روز پار کی ہم نے

تم سے اک بار بھی وفا نہ ہوئی
یہ خطا بار بار کی ہم نے

سب نے جانا کہ فصلِ گل آئی
جب قبا تار تار کی ہم نے

آرزوئے وصال پر ساقی
ہر تمنا نثار کی ہم نے

رفعتوں کو جو ہم نے پانا تھا
پینگ جھولی ہے دار کی ہم نے

خود عبارت رقم کرائی ہے
اپنی لوحِ مزار کی ہم نے

جب بھی دیکھا کوئی حسیں چہرہ
حمدِ پروردگار کی ہم نے

اس گھڑی آگیا پیامِ اجل
زیست جب تک شمار کی ہم نے

دھجیاں پیش کر کے دامن کی
قدرِ بادِ بہار کی ہم نے

اس کو چھوڑا نہ تادمِ آخر
جو روش اختیار کی ہم نے

اپنے خوں سے بجھائی ہے فاتح
پیاس ہر تشنہ خوار کی ہم نے

مجھ پر اس نے بند کیا ہے اپنے گھر کا دروازہ
زیست محل میں موت کا جیسے آج کھلا ہے دروازہ

ساتھ مرے اس نے بھی تیرے ہجر کے رنج اٹھائے ہیں
میں چپ ہوں پر تیرے لمس پہ بول اٹھا ہے دروازہ

تیرے آنے کی راحت یا تیری دید کی مستی ہے
جھول رہا ہے دروازہ یا جھوم رہا ہے دروازہ

قریہ قریہ ، کوچہ کوچہ خاک اڑاتا پھرتا ہے
تیرے دیوانے کو گھر کا بھول گیا ہے دروازہ

آخر دم تک ہم تو ان کی آس لگائے رکھیں گے
فاتح وہ جس وقت بھی آنا چاہیں وا ہے دروازہ

کسی کی قسمت بگڑ رہی ہے مگر خدائے قدیر چپ ہے
ستارے آمادۂ شرارت ہیں پر وہ گردوں سریر چپ ہے

خبر نہ تھی ایک بارگی میرے سر پہ محشر بپا کرے گا
میں سوچتا تھا نجانے کیوں چندروز سے چرخِ پیر چپ ہے

عزیز جانوں کا اور زادِ سفر کا اتلاف ہو رہا ہے
مچی ہوئی لوٹ کارواں میں ہے کارواں کا امیر چپ ہے

صدائے زنجیر نعرۂ انقلاب ہے نا سمجھ نہ جانے
یہ سوچ کر مطمئن ہے صیاد، ظلم سہہ کر اسیر چپ ہے

یہ اس کی عظمت ہے انتقاماً بھی نام لیتا نہیں کسی کا
یہ مصلحت ہے کہ ہو کے رسوا محبتوں کا سفیر چپ ہے

نہ آہ وزاری، نہ رخ پہ وحشت، نہ اپنی تقدیر سے شکایت
برس رہے ہیں ستم کے پیکاں مگر تمہارا فقیر چپ ہے

اے دست بیں! تو خموش کیوں ہے حقیقتِ حال منکشف کر
نصیب ناگفتنی ہیں میرے کہ ہاتھ کی ہر لکیر چپ ہے

نہ لب پہ وہ دلنشیں تبسم، نہ وہ شگفتہ کلام فاتح
نہ جانے کیا بات ہوگئی ہے کہ یارِ روشن ضمیر چپ ہے

غمِ عشق سینے میں گھر کر گیا ہے
یمِ زندگی کو بھنور کر گیا ہے

نمایاں تھے پہلے بھی ہم انجمن میں
یہ دکھ اور بھی معتبر کر گیا ہے

بڑے کرب انگیز ہیں گیت اس کے
کوئی قینچ بلبل کے پر کر گیا ہے

تری یاد میں دل سے اک ہوک اٹھی
تصور ترا چشم تر کر گیا ہے

دکھا کر ترا غیر کے نام نامہ
ستم اور بھی نامہ بر کر گیا ہے

نہ کی جاں کی پروا مگر یہ کہ مالی
نہالِ چمن کو شجر کر گیا ہے

ہوا نام سورج کا پر کون جانے
کہ اک شوخ تارا سحر کر گیا ہے

کسی نے بچھائے ہیں راہوں میں کانٹے
کوئی دشت کو رہگزر کر گیا ہے

بہت رنج پائے مگر ہنستے ہنستے
وہ دن زندگی کے بسر کر گیا ہے

خدا جانے کیا حادثہ ایسا گزرا
ستم گر کو جو چارہ گر کر گیا ہے

یہ سچ ہے کہ اس نے کڑے دن گزارے
مگر اپنے فن کو امر کر گیا ہے

جسے آیا خونِ جگر کا برتنا
وہ معراجِ علم و ہنر کر گیا ہے

نکل آئے ہیں آنکھ سے اشک فاتح
ترا شعر دل پر اثر کر گیا ہے

حقیقت میں ہیں پتھر، جس قدر بھی ہوں حسیں پتھر
اٹھیں تو پھوڑ دیں اپنے پجاری کی جبیں پتھر

یقیناً انقلابِ وقت نے یہ دن دکھانا تھا
سنا ہے اپنے آزر پر ہوئے ہیں نکتہ چیں پتھر

یہ میرے دردِ دل کی آنچ کا اعجاز ہے شاید
مری چھاتی سے ٹکرا کر جو ہے اتنا حزیں پتھر

تمہارے لمس نے تشکیل کی ہے سنگِ مرمر کی
ہمارے خونِ دل سے بن گئے ہیں احمریں پتھر

کہاں تک پتھروں سے بچ سکو گے اے جنوں کیشو!
اِدھر ہیں جانِ بت خانہ ، اُدھر قبلہ مکیں پتھر

میں ہر پتھر سے ناطہ توڑ کر جب اپنے گھر پہنچا
ہوا معلوم ہے میری انگوٹھی کا نگیں پتھر

بہت بے رحم ہے ہر چند پھر بھی عدل پیشہ ہے
کسی سے رو رعایت ذرہ بھر کرتا نہیں پتھر

یہ سب ہے منحصر قسمت پہ جس کو جو عطا کر دے
کہیں ہیرا، کہیں شیشہ، کہیں نیلم، کہیں پتھر

چکانا چاہتا تھا قرض دیرینہ رفاقت کا
وہ میرا ہم سفر تھا جس نے پھینکا اولیں پتھر

مگر اس کی نحوست کر گئی بے خانماں فاتح
میں اپنے ساتھ لایا تھا نہایت دلنشیں پتھر

مرا قبیلہ

سوال کرتے ہیں ملنے والے
میں کس قبیلے کا آدمی ہوں
مرے قبیلے کی رنگ و نسل و وطن پہ بنیاد ہی نہیں ہے
مرا قبیلہ، قلم قبیلہ
مرا قبیلہ، کرم قبیلہ
مرا قبیلہ، وفا قبیلہ
مرا قبیلہ، رِضا قبیلہ
مرا قبیلہ، انا قبیلہ
مرا قبیلہ، گھٹا قبیلہ

مراقبیلہ، صبا قبیلہ

مراقبیلہ، دعا قبیلہ

مراقبیلہ، حنا قبیلہ

مراقبیلہ، دوا قبیلہ

مراقبیلہ نہیں ہے کوئی بڑا قبیلہ

یہ اپنے مذکورہ سب قبیلوں کا ہے تقاطع

یہ ان قبیلوں کے مشترک وصف کا ہے حامل

مراقبیلہ مہان بھی ہے، عظیم بھی ہے

مراقبیلہ کلام بھی ہے کلیم بھی ہے

چلتے پھرتے افسانے کچھ کہتے ہیں
دھیرے دھیرے دیوانے کچھ کہتے ہیں

لیکن یہ مدہوش ہیں بات نہ سمجھیں گے
میخواروں سے میخانے کچھ کہتے ہیں

آپ توجہ فرمائیں تو بھید کھلیں
اِن آنکھوں کے ویرانے کچھ کہتے ہیں

جھانکنے دو اِن مست نشیلی آنکھوں میں
پیت نگر کے مستانے کچھ کہتے ہیں

اپنوں نے منہ موڑ لیا ہے اپنوں سے
بیگانوں سے بیگانے کچھ کہتے ہیں

ممکن ہے کھولیں اسرار منازل کے
فاتح راہی انجانے کچھ کہتے ہیں

ایک تنکے سے گھر بنے کیسے
بوند سے تشنگی بجھے کیسے

ہو کے رسوا رہِ محبت میں
ہم نے پائے ہیں مرتبے کیسے

خود پہ قابو نہ جب رہا ناصح
ہم تری بات مانتے کیسے

ایک منزل کے دو مسافر ہم
بانٹ سکتے ہیں راستے کیسے

ایک عہدِ وفا نبھانے کو
تیرے دیوانے مر مٹے کیسے

اپنی رفتار بے تحاشہ تھی
پیش آتے نہ حادثے کیسے

میں نے اس کو شعور بخشا ہے
وہ مجھے گالیاں نہ دے کیسے

اپنا انداز مثلِ آئینہ
ہم سے وہ گفتگو کرے کیسے

کوئی سنتا تو عرض کر دیتے
تھے ہمیں یاد واقعے کیسے

لوگ جیسا ہمیں سمجھتے ہیں
یہ بتاؤ تمہیں لگے کیسے

بن کے ساحل میں اس کیساتھ رہوں
وہ ہے آبِ رواں تھمے کیسے

کر کے دیکھو تو ہو خبر تم کو
عشق و الفت میں ہیں نشے کیسے

جس میں رونے کی بھی نہیں طاقت
وہ لگائے گا قہقہے کیسے

لمحہ لمحہ تھا امتحاں فاتح
بھول جاؤں وہ سانحے کیسے

جب زمانے نے محبت ہم سے جتلائی بہت
یاد اس نا مہرباں کی اس گھڑی آئی بہت

پیار کا مرہون منت ہے مگر اس کا نکھار
مانتے ہیں دلنشیں ہے تیری زیبائی بہت

صورتِ تسبیحِ استغفار ہیں آنسو رواں
ان سے نظریں چار کر کے آنکھ پچھتائی بہت

دکھ تو ہوگا مر نہ جائیں گے مگر تیرے بغیر
ہم نے دیکھے ہیں جہاں میں تجھ سے ہرجائی بہت

اے بگولو! شہر سے گزرو تو کہنا یار سے
یاد کرتا ہے تجھے اک مردِ صحرائی بہت

یہ کسی کی بھی لگی لپٹی نہیں رکھتا کبھی
ناگوار اس کو ہے آئینے کی سچائی بہت

دیکھنے میں ابنِ مریم سا لگا تھا جو ہمیں
دے گیا وہ چارہ گر زخموں کو گہرائی بہت

فن کی مایہ ، غم کی پونجی ، درد کی دولت ملی
دل زدوں کو راس آئی ہے شناسائی بہت

ڈوبتے کو جو بچا لیتا کوئی ایسا نہ تھا
یوں تو ہمدردی جتاتے تھے تماشائی بہت

تیری خاطر خود کو بھی نیلام کر ڈالا مگر
کر گئی محدود ارمانوں کو مہنگائی بہت

تیری بے مہری کے دکھ سہنے کے قابل کر دیا
مہربانی گردشِ دوراں نے فرمائی بہت

بن گئی شمعِ شبِ ہجراں ترے آنے کی آس
نور غالب آ گیا گو تیرگی چھائی بہت

چاہتوں کو اب تو شہہ دیتی ہیں اٹھتی انگلیاں
ابتدائے شوق میں تھا خوفِ رسوائی بہت

بے خیالی میں بھی جا پہنچے درِ جاناں پہ ہم
سوچ کر ترکِ مراسم کی قسم کھائی بہت

محفلیں بیگانہ کر دیتی ہیں تیری یاد سے
تیرے دیوانے کو ہے مرغوب تنہائی بہت

ڈوب جاتے ہیں مگر تیرے سخن کے سحر میں
ورنہ ہم رکھتے ہیں استعدادِ گویائی بہت

حضرتِ فاتحؔ سا کوئی اہلِ دل دیکھا نہیں
دشتِ دنیا میں ملے ہیں یوں تو سودائی بہت

وہ مجھے دے کے مرے سر کی قسم پوچھتا ہے
میرا بخشندۂ غم باعثِ غم پوچھتا ہے

کہئے آزادی بھلی ہے کہ اسیری اچھی
دل گرفتوں سے تری زلف کا خم پوچھتا ہے

حسن ہے ایک حقیقت تو ہے کیوں رُو بہ زوال
چاند سے ایک گلِ سبز قدم پوچھتا ہے

ہفت اقلیم کی میں سیر کراؤں کس کو
ایک درویش لئے ساغرِ جم پوچھتا ہے

لطف آمیز ہے کس درجہ کلامِ فاتح
کر کے سرگوشیاں کاغذ سے قلم پوچھتا ہے

راحتِ جاں سے ہمکنار کروں
آ! کہ جی بھر کے تجھ سے پیار کروں

میری کچھ فکر کر نہ اے رہبر!
میں تو رہزن کا اعتبار کروں

جو تیری بے رخی نے پیدا کی
کس طرح وہ خلیج پار کروں

ہے منانے میں لطف بے پایاں
تجھ کو ناراض بار بار کروں

تیرے اک حرفِ محرمانہ پر
میرے محبوب جاں نثار کروں

مانگتی ہے خراج سچائی
کیوں نہ میں سر کو نذرِ دار کروں

مجھ سے دامن چھڑا لیا اس نے
کیوں گریباں نہ تار تار کروں

ہے تقاضا یہ باغبانی کا
فکرِ ہر برگ و شاخسار کروں

لَوٹنے کا یقیں دلا مجھ کو
عمر بھر تیرا انتظار کروں

اپنے شہکار کارناموں سے
لوحِ ہستی کو زرنگار کروں

ریت کے قصر جن کے وعدے ہیں
ان سے کیوں عہد استوار کروں

دل پہ عہدِ خزاں مسلط ہے
روز و شب جشنِ نو بہار کروں

زندگی ہے بہت کٹھن فاتح
ثانیہ ثانیہ شمار کروں

امتحاں جب ہوا وفاؤں کا
فق ہوا رنگ آشناؤں کا

راز کیا تھا کہ ڈوبنے والا
نام لیتا تھا ناخداؤں کا

لاکھ دکھ جھیل کر یہاں پہنچے
اب ہے اٹھنا محال پاؤں کا

ربِ واحد مری مدد فرما
میں ہوں معتوب دیوتاؤں کا

بوند تک بھی وہاں نہیں گرتی
تھا جہاں جمگھٹا گھٹاؤں کا

ساری دنیا حسین لگتی ہے
سحر ہے یہ تری اداؤں کا

ہر قدم پر جمال وافر ہے
شہر ہو جیسے اپسراؤں کا

ہو جہاں تیری جلوہ فرمائی
کیا گزر ہو وہاں خزاؤں کا

تھا جو امن و سکوں کا گہوارہ
اب وہاں رقص ہے قضاؤں کا

بخشتا ہے تو شرمسار نہ کر
کچھ ٹھکانہ نہیں خطاؤں کا

اٹھ رہی ہیں وہ نیم وا نظریں
ہو رہا ہے اثر دعاؤں کا

جس کو راہِ فلاح کہتے ہیں
راستہ ہے وہ تیرے گاؤں کا

مسئلے جوں کے توں رہے سارے
کر کے دیکھا سفر خلاؤں کا

جا پڑا دُور اپنی منزل سے
کارواں جو تھا خود نماؤں کا

روٹھنا اور ماننا تیرا
کھیل ہے ایک دھوپ چھاؤں کا

دیکھنا ، احتیاط سے رہنا
ہے محلّہ یہ پارساؤں کا

کیا کریں ان سے دوستی فاتحؔ
دیکھتے ہیں جو رخ ہواؤں کا

اس عالمِ غمناک میں ہنس ہنس کے جیا کر
سنگینیٔ حالات میں بھی شکر کیا کر

ڈھلتی ہوئی چھاؤں یہ امارت ہے مرے دوست
احباب کو افلاس کے طعنے نہ دیا کر

ہو تیری خموشی پہ تکلم بھی تصدق
یوں سوزنِ تاثیر سے ہونٹوں کو سیا کر

ملحوظ ہے ہر بات پہ منشائے زمانہ
اے دوست! کبھی دل کا کہا مان لیا کر

پھر چھاتی چلی جاتی ہیں تاریکیاں فاتحؔ
من دیپ جلا اور زمانے میں ضیا کر

ہمارا تن کھوکھلا تنا ہے

مہیب سا تھا وجود اپنا
مگر ہوا جرمِ عشق ہم سے
جلے ہیں فرقت کی آگ میں ہم
پھنک رہا ہے بدن ہمارا
پگھل رہا ہے وجود سارا
بکھرتا جاتا ہے راکھ بن کر
مثالِ ساحل تھا جسم اپنا
دکھوں کی لہریں، غموں کی موجیں

جو ہم پہ یلغار کر رہی ہیں
انہیں تھپیڑوں میں بہہ گئی ہے بدن کی مٹی
ہمارا تن اک بڑے شجر کے تنے کی صورت
جسے سدا چاٹتی ہے دیمک
اذیتوں کی، مصیبتوں کی
ہے جسم اب خالی خول جیسا
کہ جس میں کچھ بھی رہا نہیں ہے

جذبۂ الفت سے دل کو آشنا کرتا ہوا
ہو گیا رخصت وہ سوزِ جاں عطا کرتا ہوا

اے خدا! گزرا ہے یہ کس کے بچھڑنے کا خیال
زلزلہ سا کشورِ دل میں بپا کرتا ہوا

کیا خبر کس مصلحت نے روک لی اس کی زباں
ہوگیا خاموش عرضِ مدعا کرتا ہوا

کاسۂ سر نقشِ عبرت بن گیا اس شخص کا
جو ملا تھا شرحِ آئینِ وفا کرتا ہوا

زندگی بھر سکھ پری اس کی نگہبانی کرے
سو گیا مجھ کو عنایت رتجگا کرتا ہوا

سنگ باری میں ہنسا پہلے تو دیوانہ ترا
رو دیا پھر لب کو محرومِ دعا کرتا ہوا

اس کی رودادِ الم سن سن کے روتا ہے جہاں
مر گیا فاتحؔ غموں کا سامنا کرتا ہوا

رشکِ شعرِ حافظ و خیام قامت یار کی
ہے شعورِ زیست کا پیغام قامت یار کی

اپنے چھوٹے قد کے باعث کوئے گمنامی میں تھے
کر گئی ہم کو بھی طشت از بام قامت یار کی

اپنے اندازِ تخیل کو بلندی دے گئی
دے گئی کتنا بڑا انعام قامت یار کی

نونہالانِ چمن سارے مؤدب ہیں کھڑے
ہو رہی ہے سرو پر الہام قامت یار کی

وہ ہے میرے ساتھ فاتح تو کوئی بھی غم نہیں
ہے رقیبِ گردشِ ایام قامت یار کی

ہم آ کے ترے شہر میں رسوا تو ہوئے ہیں
اسرارِ محبت سے شناسا تو ہوئے ہیں

وا دیدۂ خاطر ہے جو آنکھوں میں نہیں تاب
ہم طالبِ دیدِ رخِ زیبا تو ہوئے ہیں

ہر چند کہ تصویر تری مسخ ہوئی ہے
ٹکڑے مرے آئینے کے یکجا تو ہوئے ہیں

افسردہ دلی ، برہمی ، آوارہ مزاجی
آثارِ جنوں ہم میں ہویدا تو ہوئے ہیں

گو خون جلایا ہے بہت فکر میں فاتحؔ
ہم شوکتِ اشعار میں یکتا تو ہوئے ہیں

لہو لہو ہوا جگر تو ہم نے شعر کہہ دیا
ہوئی نہ خشک چشمِ تر تو ہم نے شعر کہہ دیا

سجا بدن صلیب پر تو ہم نے شعر کہہ دیا
ہوا جو زیبِ دار سر تو ہم نے شعر کہہ دیا

ہمارے بول کیوں اتر نہ جائیں تیری روح میں
بیاں میں آگیا اثر تو ہم نے شعر کہہ دیا

گنوا کے خود کو ہم نے پائی یہ متاعِ بے بہا
ہوئے جو خود سے بے خبر تو ہم نے شعر کہہ دیا

ہماری شاعری غمِ حیات کی ہے ترجماں
کٹا چکے جو بال و پر تو ہم نے شعر کہہ دیا

یہ اپنے رتجگوں کی کربناک داستان ہے
جو شام ہوگئی سحر تو ہم نے شعر کہہ دیا

وہ سائباں کہ جس پہ آشیاں تھے سب طیور کے
گرا چمن کا وہ شجر تو ہم نے شعر کہہ دیا

ہو آب آب جس کی آنچ سے ضمیرِ شمس بھی
ملا جو رنج اس قدر تو ہم نے شعر کہہ دیا

وہ جس کو تیرے پیار تیری یاد سے ہیں نسبتیں
بھڑک اٹھا جو وہ شرر تو ہم نے شعر کہہ دیا

وہ رہگزر کہ جس پہ تم ہمارے سنگ سنگ تھے
وہاں سے جب ہوا گزر تو ہم نے شعر کہہ دیا

ہماری جرأتوں کی داد بھی تو دیجیے ذرا
جو آیا معرضِ خطر تو ہم نے شعر کہہ دیا

نظر سے کیا گرے کہ تھا نظر نظر اجاڑ پن
نظر سے مل گئی نظر تو ہم نے شعر کہہ دیا

تھا خندہ زن بصد غرور دیوتا گناہ کا
جو دیکھی ذلتِ بشر تو ہم نے شعر کہہ دیا

وہ موسمِ الم کہ ہم جسے فراق رت کہیں
ہوا وہ دور مختصر تو ہم نے شعر کہہ دیا

یقیں نہ ہو تو رستے آبلوں سے لو گواہیاں
طویل تر ہوا سفر تو ہم نے شعر کہہ دیا

جو یار اپنی زندگی سے تھے عزیز تر ہمیں
بنے جو غیر جان کر تو ہم نے شعر کہہ دیا

مَرَض تھا عام بے بصیرتی کا سارے شہر میں
ملا جو کوئی دیدہ ور تو ہم نے شعر کہہ دیا

وہ جس کی راہ اور تھی ، مدار جس کا اور تھا
وہ چاند آ گیا اِدھر تو ہم نے شعر کہہ دیا

ہمارا فن جوابِ فن ہے ، داد ہے کمال کی
بھلا لگا کوئی ہنر تو ہم نے شعر کہہ دیا

برنگِ ظلم و جبر و جور فاتحِ فقیر کو
ملا خلوص کا ثمر تو ہم نے شعر کہہ دیا

اگرچہ دل میں ہزار غم ہیں ، محبتیں بانٹتے رہیں گے
ہماری قسمت میں گو ستم ہیں ، محبتیں بانٹتے رہیں گے

ہمیں نہیں ہے کسی سے نفرت ، نہیں کسی سے ہمیں کدورت
ہمارے دل مثلِ جامِ جم ہیں ، محبتیں بانٹتے رہیں گے

یہی تو ہے کاروبار اپنا ، اسی میں ہے افتخار اپنا
یہ طے رہا زندہ جو بھی دم ہیں ، محبتیں بانٹتے رہیں گے

یہی ہے معیار عظمتوں کا ، یہی چلن ہے شرافتوں کا
جو باوفا ہیں، جو باکرم ہیں ، محبتیں بانٹتے رہیں گے

اسی میں جیون گزار دیں گے، یہ کام دن رات ہم کریں گے
یہی تو کھائے ہوئے قسم ہیں ، محبتیں بانٹتے رہیں گے

یہی قرینہ ہے زندگی کا ، یہی ہے انداز مخلصی کا
وفا کے گو قدردان کم ہیں ، محبتیں بانٹتے رہیں گے

نہ کوئی پروا کریں گے بالکل کہ ہم ہیں باغِ وفا کے بلبل
اگرچہ تقدیر میں الم ہیں ، محبتیں بانٹتے رہیں گے

زمانہ فاتحؔ یہ جانتا ہے ، عدو بھی یہ بات مانتا ہے
محبتوں کے سفیر ہم ہیں ،محبتیں بانٹتے رہیں گے

دوست احباب ہی اپنے ہیں ، نہ دلبر اپنا
اب تو روٹھا ہوا لگتا ہے مقدر اپنا

سیم و زر پاس نہیں ، سایۂ راحت بھی نہیں
ایسی حالت میں بنے گا کوئی کیونکر اپنا

کیا بگاڑیں گے ترا ترک تعلق کر کے
یوں بھی کر بیٹھیں گے نقصان سراسر اپنا

یہ تری یاد کی خوشبو ہی تو ہے جانِ بہار
رات دن رہتا ہے دل جس سے معطر اپنا

چارہ گر زعم تو رکھتے ہیں دوا کا فاتح
درد ہے اُن کی توقع سے فزوں تر اپنا

تُمھارے تو لب مصلحت میں سِلے ہیں، ہمیں بولنے دو
ہمارے جنوں کے ابھی گُل کِھلے ہیں، ہمیں بولنے دو

اگر ہم نہ بولیں گے اب تو تمھیں کب خبر ہو سکے گی
ہمیں تم سے بے دردِ کتنے گلے ہیں، ہمیں بولنے دو

سماعت کرو تم توجہ سے، اپنے پاس تھوڑی سی مہلت
بمشکل ہمیں چند لمحے ملے ہیں، ہمیں بولنے دو

ہمیں پُوچھنے دو کہ نفرت میں کیوں ہے جوابِ محبت
جفاؤں میں مہر و وفا کے صِلے ہیں، ہمیں بولنے دو

سُنو غور سے آخری ہو یہ شاید وصیّت ہماری
نقاہت میں فاتح ذرا لب ہلے ہیں، ہمیں بولنے دو